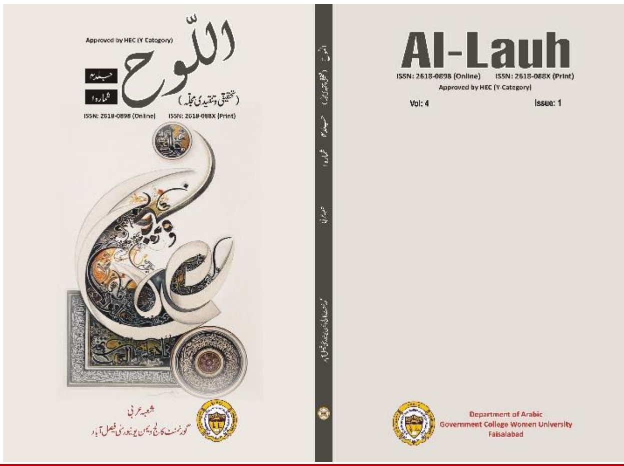

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Al-Lauh

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898

Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**

Madina Town, Faisalabad, Pakistan.

Website: www.allauh.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

اسلام میں تربیت اولاد کی اہمیت (مولانا حالی کی ”مجالس النساء“ کی روشنی میں)

The Importance of Raising Children In Islam (in the light of Maulana Hali's "Majalis-ul-Nisa")

AUTHOR

1. Prof. Dr. Talat Safdar Government APWA College for Women Lahore

How to Cite: https://allauh.pk/

https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4

Vol. 4, No.1 || January to June 2025 ||

Published online: 30-06-2025

اسلام میں تربیت اولاد کی اہمیت (مولانا حالی کی ”مجالس النساء“ کی روشنی میں)

The Importance of Raising Children In Islam (in the light of Maulana Hali's "Majalis-ul-Nisa")

پروفیسر ڈاکٹر طلعت صفدر[1]

Abstract:

"In Islamic viewpoint, the children are a precious divine gift bestowed to us. The parents are answerable to Almighty Allah (SWT) regarding their "Tarbiah" or upbringing. The safeguarding of progeny is one of five sublime objectives of Shariah. So parenting is a fragile responsibility. It is more than providing them with food, care and shelter. It is also a complete personality development program, a blend of spiritual, psychological, ethical and social upbringing. Being the first inspiration of their kids, parents are responsible to implant core assumptions of religion and its ethical and social norms in them. Illustration of the consequences of unhealthy tendencies and inappropriate actions from parents' side save the future life of their children as well as society. A great number of books on the topic of character building of Muslim children were written in the United Indian literary history. These books left an everlasting impact not only on the readers of that era but also on our temp (temporary?) contemporary readers.

Maulana Altaf Hussain Hali (1837–1914), (a celebrated poet, writer, critique and social reformer) was a strongest voice against / in the favour of producing civilised and educated Muslim individuals for awakening Muslim Ummah. The role of domestic domain was the fittest tool / fit to serve this mission according to him. Majalis un Nisa (مجالس النساء), a short novel was penned by Hali for religious upbringing of children. In this article, a brief analysis / review of this book will be presented to highlight the importance of rearing children in light of Islamic perspective and their consequences and impacts on society."

Key words: Parenting, Upbringing, Islamic Ethics, Education, Motherhood, Personality Development.

تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت ایک ایسا عمل ہے جو ہمہ وقت ایک دوسرے کے متوازی چلتا ہے۔ دونوں میں سے کسی بھی ایک پہلو سے غفلت برتنے سے نہ تو عمدہ اخلاق و کردار اور رشد و ہدایت سے مزین معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی تقرب الی اللہ کا ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ معاشرہ جو افراد کو ہمہ نوع فساد سے بچا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی کا آرزومند ہے وہاں تعلیم و تربیت سے تغافل نا

قابل برداشت خیال کیا جاتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ "تزکیہ" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

" قَدْأَفْلَحَ مَن تَزَكَّى "[1]

(یعنی بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔)

اگرچہ عربی زبان میں اس کے متعدد مترادفات مستعمل ہیں۔ مثلاً التنشئة، التنمية، الاصلاح، التاديب والادب، التطهير التعليم والإرشاد، السياسة اور اخلاق وغیرہ ماہرین لغت اس بات پر تو متفق ہیں کہ لفظ تربیت باب تفعیل سے ہے۔ مگر حروف اصلیہ کے بارے میں وہ مختلف الرائے ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ر، ب، و حروف اصلیہ ہیں۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ر، ب ب اصلی حروف ہیں۔ ذیل میں ماہرین لسانیات کی چند تعریفات درج کی جاتی ہیں۔

ابن الفارسؒ فرماتے ہیں :

" ربي أ: الراء والباء والحرف المعتل وكذلك المهموز منه يدل على اصل واحد وهو الزيادة و النما و العلو- - تقول من ذلك : ربا الشيء ير بوا .والربوة : المكان المرتفع -ويقال ربيته وتربيته اذا غزوته "[2]

(رب اَ حرف معتل ہے۔ اس طرح یہ مھموز بھی ہے۔ اور ایک اصل واحد پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے بڑھنا، پروان چڑھنا اور بلندی اسی سے ربا الشیء یربوا بنا ہے۔)

الربوۃ: بمعنی بلند جگہ۔ اور کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کی پرورش کی، تربیت کی جب میں نے اسے کھلایا پلایا۔

ابن منظورؒ فرماتے ہیں:

" وربها: نماها و زادها و اتممها و اصلحا "[3]

1۔ سورۃ الاعلی، آیت: ۱۴

2۔ ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، بیروت، دار الفکر ۱۳۹۹ھ

3۔ ابن منظور، لسان العرب، قم، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ ص ۴۰۵

(اور ربھا بمعنی اس نے اس کو پالا نشوونما کی، اور اس کی تکمیل کی اور اس کی اصلاح کی۔)

علامہ بیضاویؒ کے نزدیک:

"الرب: في الاصل مصدر بمعنى التربية وهي تبلغ الشيء الى كماله شيئا فشياً"[1]

(لفظ رب اصل میں مصدر ہے۔ تربیت کے معنی میں ہے۔ اور یہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانا ہے۔)

معروف اردو ڈکشنری فرہنگ آصفیہ میں لفظ تربیت کو اسم مونث قرار دیتے ہوئے پرورش، پالن، پرداخت، تعلیم، تادیب تعلیم الاخلاق تہذیب کے معنی مراد لیے ہیں۔ نیز فعل متعدی کے طور پر پالنا پرورش کرنا، تعلیم کرنا، سکھانا۔ سدھانا، تادیب دینا، مارنا، گوشمالی کرنا اور ادب دینا کے لیے ہیں۔[2]

لغویین کی مذکورہ بالا آراء سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرد کی نشوونما اس کے جذبات و افکار اور اعمال کی تہذیب اور اصلاح کا انطباق لفظ "تربیت. پر ہوتا ہے جہاں تک دینی تربیت کا تعلق ہے تو اس کے لیے اولاد کو اسلامی عقائد ذہن نشین کرانا، اساسی احکام و آداب سے روشناس کرانا اور عملی کی مشق کرانا وغیرہ بچوں کی عمر کے ہر مرحلے میں ان بنیادی احکامات دینیہ کو پیش نظر رکھنا جو تربیت کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن مجید میں مذکور حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو دردمندانہ نصائح کو تربیت اولاد کا نصاب قرار دے کر اس سے مثبت نتائج پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان نصائح کا تذکرہ دیکھئے۔

1-أَنِ ٱشْكُرْ لِلَّهِ ترجمہ: کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔

۲۔لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ ترجمہ: اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔

۳۔ا َنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ ترجمہ: کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر کرو

1۔ البیضاوی، ناصر الدین (القاضی) انوار التنزیل واسرار التاویل، بیروت دار الرشید. ۱۴۲۱ھ ص ۱/ ۱۳

2۔ سید احمد، مولوی (مرتب) فرھنگ آصفیہ، لاھور، اردو سائنس بورڈ ۲۰۱۰ء ص ۲۰۰

۴۔ إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِى صَخْرَةٍ أَوْ فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ أَوْ فِى ٱلْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا ٱللَّهُ "

بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے وزن کی ہو۔ پس کسی چٹان میں ہو آسمانوں یا زمین میں تو اللہ اسے لے آئے گا۔: ترجمہ

۵۔ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ ترجمہ: نماز قائم کرو۔

۶۔ " أْمُرْ بِٱلْمَعْرُوف " سے معروف کا حکم دو۔

۷۔ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ترجمہ: اپنا چہرہ لوگوں سے مت پھیر۔

۸۔ لَا تَمْشِ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَحًا. ترجمہ: زمین پر اکڑ کر مت چلو۔

۹۔ وَٱقْصِدْ فِى مَشْيِكَ ترجمہ: اپنی چال میں میانہ روی رکھو۔[1]

مذکورہ انداز تربیت جس میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کی رعایت کا حکم ہے اللہ تعالی کے عظیم المرتبت نبی حضرت ابراہیم نے بھی اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے بھی روا رکھا۔ فریضہ اقامت دین کے لیے ان کی نصیحت کا مقصد واضح ہو جاتا ہے مثلاً:

" رَّبَّنَآ إِنِّىٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِى بِوَادٍ غَيْرِ ذِى زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ "[2]

(اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے۔ اور اے ہمارے رب یہ اس لیے ہے کہ وہ نماز قائم کریں۔)

حضرت علی رضی اللہ سے منسوب ایک وصیت جو جناب حسن بن علی کے نام ہے اسی تربیت کی ایک کڑی ہے ملاحظہ ہو!

"و صرفت حيث عناني من امرك ما يعنى الوالد الشفيق واجمعت عليه من ادبك ان يكون ذلك وأنت مقبل العمر ومتقبل الدهرذُونِيةٍ سليمة ونفس صافية"[3]

1۔ سورۃ لقمان آیت: 19-12

2۔ سورہ ابراہیم، آیت: 37

(کیونکہ مجھے تمہاری ہر بات کا اتنا خیال ہے جتنا کہ ایک شفیق باپ کو ہونا چاہیے۔ اور تمہاری اخلاقی تربیت بھی پیش نظر ہے۔ لہذا مناسب سمجھا کہ یہ تعلیم و تربیت اس حال میں ہو کہ تم نو عمر ہو اور بساطِ دہر پر تازہ وارد ہو۔ اور تمہاری نیت کھری ہے اور نفس پاکیزہ ہے۔)

صلحاء امت کے نزدیک شریعت مطہرہ ہی مدار تربیت ہے۔ جیسا کہ " ايها الولد " کے مؤلف نے لکھا:

"فينبغي لك ان يكون قولك وفعلك موافقا للشرع "[1]

(پس چاہیے کہ تمہارا قول و فعل شرح کے مطابق ہو۔)

برطانوی ہندوستان میں بھی اصلاح احوال کے لیے متعدد فضلائے اسلام ایسے ابھرے ہیں جنھوں نے دینی بنیادوں پر اولاد کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور یہ فریضہ اس کامیابی سے نبھایا کہ آج بھی قوم مسلم ان کے زیر بار احسان ہے۔ ایسی ہی نابغہ روزگار شخصیات میں سے ایک نام مولانا الطاف حسین حالؔی کا بھی ہے۔ جنھیں زمانہ ایک مصلح قوم، مفکر، ادیب اور شاعر کی حیثیت سے جانتا ہے " تاریخ سیاسی میں تاریخ تعلیمی میں، تاریخ معاشرت میں، تاریخ ادب میں جہاں کہیں پچھلی نصف صدی کہیں صحیح حرکت کی روانی دکھائی دیتی ہے تو اس کا سلسلہ ادیب شاعر، مصلح، محب وطن اور سب سے زیادہ اس صاف دل فرشتہ خصائل انسان کی کاوش ذہن کے چشمہ صافی سے جاملتا ہے"۔[2]

تربیت اولاد کے اسلامی رخ کی نمائندہ کتاب "مجالس النساء" کا مختصر پس منظر اور مقصد تخلیق پیش خدمت ہے گو کہ براہ راست تو سرسید احمد خان خواتین کی تعلیم و تربیت کے مشن پر کام کرتے نظر نہیں آتے ہیں پھر بھی "مجالس النساء" سرسید کے مشن

[3]۔ نہج البلاغہ (مترجم مفتی جعفر حسین) لاھور المعراج کمپنی ۲۰۰۳ء ص ۶۰۵

[1]۔ الغزالی، محمد بن محمد بن احمد ایھا الولد، بیروت، دار المنہاج س ن، ص ۵۱

[2]۔ حالی، الطاف حسین "مجالس النساء" نئی دہلی، مکتبہ جامعہ ۲۰۱۲ ص ۶

اور ان کی قومی و تعلیمی تحریک کی حمایت میں تخلیق پانے والے ادب کی ایک کڑی ہے۔ اور اس ماحول کی پیدا کی ہوئی فنی روایت کا عکس بھی جو نذیر احمد نے قصہ گوئی کے لیے اختیار کی تھی۔"[1]

حالی کی مذکورہ تصنیف جو کہ قصہ گوئی کے میدان میں پہلا قدم تو نہ تھی بلکہ اس کے قبل ڈپٹی نذیر احمد کی مرآۃ العروس، بنات النعش، مفید خلائق (عنایت حسین دہلوی کا رسالہ) شاد عظیم آبادی کی کتب "صورت الخیال" اور ھیئۃ المقال" بھی موجود تھے۔ نیز فسانہ طاہرہ (مرزا غلام حسین) اور "مفید النساء"، از مولوی عبد اللہ بارہ بنکی بھی تحریر کی جا چکی تھیں۔[2]

حالی کو مذکورہ ماحول میں ناول نگاری یا قصہ گوئی کے فن میں نقادوں نے بہت اعلی مقام سے نوازا یا نہیں اہم یہ ہے کہ انہوں نے ایسے ادب کو بے ادبی سے تعبیر کیا جو ترجمان زیست نہ ہو۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ لکھا اس کا منشاء وہ ضرورت وہ مصلحت ہے جس کے سبب بھولے کو راہ دکھائی جاتی ہے۔ اور مریض کو دوائے تلخ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مجالس النساء دو حصوں اور نو مجلسوں پر مشتمل ہے۔ (مجالس بمعنی ابواب) حصہ اول لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور حصہ دوم لڑکوں کے لیے مختص کیا۔ حالی کے طرز بیان کے بارے میں کہا گیا کہ " حالی کا تعلق پانی پت سے تھا۔ پانی پت میں دلی لکھنو، رام پور اور حیدر آباد کی طرح کوئی خاص دستان موجود نہیں تھا۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کی پیروی کی جاتی تھی۔ حالی کے ہاں ہمیں ایسی نثر ملتی ہے جو فطری اور بے ساختہ سادگی سے مزین ہے۔"[3]

ہو سکتا ہے کہ حالی کی اسی سادہ نگاری کو وہ مقبولیت عطا ہوئی ہو کہ "گورنر جنرل پنجاب لارڈ ناتھ بروک نے 1974 کو اس کتاب کو 400 روپے انعام کا مستحق قرار دیا اور یہ کتاب نہ

1۔ عبد القیوم، ڈاکٹر، حالی کی اردو نثر نگاری، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۴ ص ۸۸

2۔ ایضاً، ص، 83

3۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، حالی کا نثری اسلوب، سہ ماہی نور معرفت (جلد ۱۲، شمارہ ۲۰) مسلسل شمارہ ۵۲ اپریل تاجون ۲۰۲۱ء

صرف بطور نصاب پنجاب کے زنانہ مدارس میں پڑھائی جانے لگی بلکہ یو۔پی میں بھی اسے شامل نصاب کر لیا گیا"۔[1]

کتاب کے ادبی محاسن کی تفصیل یہاں محل نظر نہیں ہے۔ لہذا اس کے مندرجات پر ذیل میں تبصرہ کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ حالی نے قصے کے مختلف کرداروں کی زبانی جو مکالمات کہلوائے ہیں ان کی مدد سے مسلمان گھرانوں کے اخلاقی اور دینی رجحانات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس عہد کے ہندوستان (اٹھارویں اور انیسویں صدی کا ہندوستان) تہذیب وثقافت اور رسوم و رواج کا ایک نقشہ ابھرتا ہے، جدید اور قدیم ہندوستانی معاشرہ کی زندگی کا ایک تقابلی جائزہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ برطانوی راج کے زیر سایہ سماجی ترقی کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ نیز معاشرے میں عورت کی زبوں حالی کی وجوہات اور ان کے تدارک کی تفاصیل دیکھی جا سکتی ہیں۔

زبیدہ خاتون اور ان کے خاندان کے کرداروں کے اوصاف بتاتی ہیں۔ یہ "مجالس النساء کے قصے کی راویہ آتو جی (استانی جی) ہیں جو کہ ایک متوسط اور سلجھے ہوئے افراد پر مشتمل کرداروں کی کہانی ہے۔ آتو جی اپنے ارد گرد عورتوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی وجوہ بتاتے ہوئے اپنی مخاطب خواتین محمودہ بیگم اور مریم زمانی بیگم کے سامنے بڑا ناصحانہ طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ معاشرے میں غریب سے غریب شخص بھی شادی بیاہ پر دولت لٹاتا ہے۔ شب برات کی چودھویں تاریخ کو حلوہ مانڈا ضرور بنایا جاتا ہے۔ جب ان واہی تباہی باتوں کی لوگوں کو اتنی پچ ہے تو اچھی باتوں کی کیوں نہ ہو گی۔ آج شہر میں اتنی بات ہو جائے کہ لوگ بیٹیوں کو ان پڑھ رکھنے کو عیب جاننے لگیں پھر دیکھوں وہ کون سا گھر ہے جس کی لڑکیاں پڑھ نہیں پاتیں"۔[2]

آتو جی تعلیم کی اہمیت کو خواتین پر واضح کرتے ہوئے یہ بھی قرار دیتی ہیں۔ کہ بچوں کے حصول تعلیم سے مطلوبہ نتائج تب ہی سامنے آسکتے ہیں جب ماں بذات خود اولاد کو پڑھائے۔ کہتی ہیں کہ میرے نزدیک بیٹا کیا بیٹی کیا کسی کو بغیر ماں کی تعلیم کے آدمیت آہی نہیں سکتی۔

1۔ حالی، مجالس النساء، ص، ۱۱

2۔ ایضاً ص، ۲۲

لوگ یہ جانتے ہیں کہ الف، بے، تے اور "کریما" اور "خالق باری" پڑھانا ایسا کہاں کا بڑا کام ہے۔ جس ملا سے کہہ دے وہی چار حرف پڑھا دے گا۔[1]

اوائل عمری میں ہی بچیوں کو بنیادی کتابوں سے متعارف کرانے کی ضرورت کو اجاگر کرنے کیلئے آتو جی زبیدہ خاتون کے بارے بتاتی ہیں کہ جب زبیدہ تیرھویں سال کو لگیں تو اس دور کی متداول کتب مثلاً گلستان، بوستان، اخلاق محسنی، عیار دانش اور عربی صرف ونحو کے بنیادی مسائل پڑھ چکیں، علم حساب کی ابتدائی چیزیں مثلاً کسور اعشاریہ، کسور عام اور اقلیدس کے دو مقالات کو خوب سمجھ چکیں تو انہوں نے خط نسخ اور نستعلیق کی چند تختیاں اور قطعے بھی خوب قابلیت کے ساتھ سیکھ لیے تو ان کے والد گرامی نے ان کو کلیلہ ودمنہ اور کیمیائے سعادت نامی کتب سبقاً سبقاً پڑھانا شروع کر دیا"۔[2]

خواتین اگر تعلیم یافتہ ہیں تو وہ اپنے اعزاء اور اقرباء کا مشکل گھڑی میں ساتھ دیتی نظر آتی ہیں۔ اس کو آتو جی نے شاہ جہاں اور اس کی بیٹی روشن آراء بیگم کی مثال دے کر نمایاں کیا کہ "جب عالمگیر نے اپنے باپ کو قید کیا تو روشن آراء نے باپ کا ساتھ نہ چھوڑا خود بھی اس کے ساتھ قید اختیار کر لی اور باپ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ عالمگیر نے باوجود بڑی دین دار زندگی گزارنے کے والد کے ساتھ نامناسب رویہ رکھا اور بیٹی کی بے لوث خدمت کو لوگ آج بھی سراہتے ہیں۔[3]

آتو جی نے حصول علم کی مقصدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ عورتیں بھی ہوش وخرد سے کام لے کر اپنی ذات سے مستفید ہو سکتی ہیں۔ وہ اپنی دینا اور عقبیٰ کے معاملات سے باخبر ہو جائیں گی ہر چھوٹے اور بڑے کے حقوق کی رعایت رکھیں گی۔ بچوں کی تربیت اچھی کر لیں گی، شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری سیکھ جائیں گی۔ سسرال میں اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے اپنے والدین کے لیے باعث فخر ہوں گی۔[4]

1۔ ایضاً ص، ۲۳

2۔ ایضاً ص، ۴۷

3۔ ایضاً ص ۵۱

4۔ ایضاً ص ۱۸

مولانا حالیؔ نے اس قصے میں ہندوستانی سماج کی ایک خود غرضانہ سوچ کو بھی سامنے لے کر آتے ہیں کہ اگر بیٹوں کو پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ اپنے ہی خاندان کو پہنچے گا۔ اور بیٹیوں کو پڑھانا اس لیے بے سود ہے کہ یہ تو شادی کے بعد کسی دوسرے خاندان کا حصہ بن جائیں گی۔

معاشرہ خواہ پرانا ہو یا موجود عہد کا خواتین کی تعلیم و تربیت از بس ضروری ہے۔ کتاب اللہ میں جب علم والوں کے درجات گنوائے جاتے ہیں۔ تو مرد اور عورت کی تخصیص کے بغیر۔ مثلاً

" يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ " [1]

(اللہ تعالیٰ بلند فرمائے گا ان لوگوں کے درجات جو تم میں سے واقعی ایمان والے ہیں اور ان کو علم عطا ہوا ہے۔)

علم و فضل میں بہت میں مسلم خواتین نے تاریخ اسلام میں انمٹ نقوش چھوڑ ے ہیں۔ عہد رسالت مآب میں امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں ہشام بن عروہ کی روایت کو سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب میں شامل کرتے ہوئے لکھا کہ" میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام (یعنی فقہ) شاعری، عرب کی تاریخ و نسب کا حضرت عائشہؓ سے زیادہ واقف کار کسی کو نہ پایا "۔[2]

ام رعلةؓ القشیریہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ "من ربات الفصاحة و البلاغة"[3]

(وہ فصاحت اور بلاغت میں معروف لوگوں میں سے تھی۔)

حضرت رفیدہ اسلمیہؓ کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ مجاہدہ تھیں اور کانت تداوی الجرحی وتحتسب بنفسها على خدمة من كانت به صنيعة من المسلمين [4]

[1]۔ سورۃ الزمر آیت:۹

[2]۔ سلیمان ندوی، سید، سیرت عائشہ، لاہور مکتبہ اسلامیہ ۲۰۰۵ ص، ۲۱۱

[3]۔ کحالہ، عمر رضا، اعلام النساء فی عالمي العرب والاسلام،

[4]۔ ایضاً

یعنی وہ زخمیوں کو دوا دیتی تھیں اور مسلمان اطباء جو بھی دوائیں بناتے وہ (مریضوں کو دینے سے پہلے) خود ان کا تجربہ کرتی تھیں۔

خواتین کو خط و کتابت سکھانے کے حوالے سے حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " الا تعلمين هذه رقية النملةكما علمتها الكتابة"[1]

(مرض نملہ کی جھاڑ پھونک کی تعلیم تم حفصہ کو کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے اسے خط و کتابت سکھائی۔)

مندرجہ بالا حدیث کے بارے شرح سنن ابی داؤد میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ بقول خطابی – "فيه دلالة على ان تعلم النساء الكتابة غير مكروه " [2] یعنی عورتوں کو کتابت سکھانا مکروہ نہیں ہے کہ اس میں دلیل ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک رشتہ دار خاتون عائشہؓ بنت طلحہ "جو کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی قابل فخر تلمیذات سے ایک تھیں۔ وہ ہشام بن عبد الملک (اموی خلیفہ) کے دربار میں تشریف لائیں۔ ان کی فضیلت علمی مثلاً عرب کی تاریخ اور شاعری اور حضارت عرب وغیرہ کا چرچا بہت تھا۔ ہشام نے اموی علماء و فضلاء کو بھی دعوت دی اس موقع پر طویل مذاکرہ ہوتا رہا عاشہؓ بنت طلحہ نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ علم فلکیات اور نجوم کے بارے میں اپنی علمیت کا اظہار کیا۔ تو خلیفہ ہشام چونک گیا کہنے لگا" اما الاول فلا انكره و اما النجوم فمن اين لك ؟ قالت اخذتها عن خالتى عائشة"[3]

1۔ ابو داؤد، امام، سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب: ماجاء فی الرقی حدیث نمبر

2۔ محمد اشرف صدیقی، شرف الحق، عون المعبود علی شرح سنن ابی داؤد کتاب الطب، باب؛ ماجاء فی الرقی، بیروت دار حزم، س ن، ص۱۷۶۵

3۔ العاملی، زینب بنت یوسف فواز، الدر المنثور في طبقات ربات الخدور بولاق مصر مطبعة الاميرية ۱۳۱۳ھ، ص۴۸۶

(جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے تو مجھے اس سے کوئی انکار نہیں۔ لیکن یہ جو علم نجوم ہے یہ آپ نے کہاں سے لیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ میں نے اپنی خالہ عائشہؓ (ام المومنین) سے حاصل کیا۔)

مذکورہ بالا معروضات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ خواتین کا عصری علوم کا حصول ان کو نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنے خاندان اور مجموعی طور پر معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حصول علم کے ساتھ ساتھ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اولاد کی اخلاقی تربیت پر بہت زور دیا ہے۔ ان کی نظر میں والدین اور دیگر عزیز رشتہ داروں کو بیٹیوں کی اخلاقی تربیت پر توجہ رکھنی اشد ضروری ہے۔ مجالس النساء کی دوسری مجلس میں ہے کہ "اب رہی صحبت تو خدا کے فضل سے یہاں آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ میکے میں نانی دادی ماں بہن، بھاوج، چچی، خالہ، پھپی اور سسرال میں نند، ساس، دیورانی جیٹھانی، خلیا ساس، پھپیا ساس-غرض سارے کنبے میں کوئی اتنی نہیں جس کے پاس بیٹھ کر تم آدمیت سیکھو جسے دیکھو اسے اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ چار سر جوڑ کر بیٹھ گئیں اور زمانے کی برائی کرنی شروع کی۔[1]

بے شک غیبت اور چغلی انسانی رشتوں میں خرابی پیدا کرنے کا بڑا سبب ہے۔ اسی طرح زبیدہ خاتون اپنے بیٹے عباس کے ایک سوال کے جواب میں ایک اور اخلاقی مرض کی نشاندہی کرتی ہیں۔ "انسان اپنے تئیں سب سے اچھا جانے اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھے۔ کسی کو اچھے حال ہی دیکھے تو جل جائے۔ دل میں کپٹ رکھے اور ظاہر میں دوست بنا رہے۔ لوگوں کو پیٹھ پیچھے برا کہے اور سامنے خوشامد کرے جس سے ملے اپنی غرض کے لیے ملے۔ اپنے فائدے اور دوسروں کے نقصان کا روادار رہے۔[2]

حالیؔ نے اس کتاب میں متعدد جگہ پر بتایا کہ کسی کے چند عیب دیکھ کر باقی خوبیوں پر پانی پھیر دینا، لالچ، چوری، جھوٹ، مکر، دغابازی، غرور، اور بہتان سب کے سب انسان کے بداخلاق ہونے کی دلیل ہیں۔ تربیت اطفال میں اس جانب خصوصی توجہ کی

---

[1] حالی مجالس النساء ص، ۴۵

[2] ایضاً ص، ۵۵

ضرورت ہے۔ اس عہد کے ہندوستان کی گھریلو زندگی میں توہم پرستی کا چلن جس قدر عام تھا اس کے بارے زیر بحث کتاب میں اس طرح روشنی ڈالی گئی۔ کہ " آگے چل کر جس عورت کے اولاد نہیں جیتی اس کے کچھ اور ہی علاج ہیں۔ کہیں گڑھنت ہے کہیں نہان ہے کہیں یہ روک ٹوک کہ کڑاہی کا پکا نہ کھائے، میت میں نہ جائے۔ چھٹی میں نہ جائے۔ اس کے سوا بیسیوں خرافات ہیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ خدا کو زندگی دینی ہوگی تو ہر طرح جیئے گا۔[1]

اوپر مذکور اخلاقی پستی کی مثالیں ایسی نہیں ہیں کہ قدیم ہندوستان ہی میں پائی جاتی تھیں۔ آج ہمارے ہاں نہیں ہیں۔ بیٹی کی ولادت پر آس پاس کے لوگوں کے رد عمل کو ہی دیکھ لیجئے۔ حالی کے کردار زبیدہ خاتون کی زبانی سنئے "ماں باپ ہیں تو پریشاں، بہن بھائی ہیں تو اداس، خالہ پھپی، نانی، دادی، آیا گیا جو سنتا ہے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا ہے۔"[2] نیز یہ کہ " بیٹیوں کا نام جب بھی لیا تو اللہ آمین کر کے لیا اور ان کو پیار سے بھی پکارا تو موئی، مرنے جوگی اور غارت گئی کہہ کر پکارا"[3] رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسیرت میں بہن اور بیٹی کی بہت تکریم کی گئی ہے جیسے کہ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں۔

" انس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليكم من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة -انا وهو وضم اصابعه "[4]

(حضور ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی قیامت کے دن وہ اور میں اس طرح آئیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔)

مگر لڑکی کو اس جنسی امتیاز کی بھینٹ آج بھی چڑھایا جاتا ہے جو کہ انتہائی قابل افسوس ہے۔ ان اخلاقی معائب کے علاوہ چند اخلاقی محاسن کا بھی تذکرہ ملتا ہے جیسے کہ

1۔ ایضاً ص، ۵۳

2۔ ایضاً ص، ۱۹

3۔ ایضاً

4۔ مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والادب، باب، فضل الاحسان الی البنات، ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۸ حدیث نمبر: ۶۶۹۵

مہمان نوازی کی اور فیاضی کی اہمیت پر بھی مطلع کیا گیا۔ مثلاً زبیدہ خاتون اپنی والدہ کی طرف سے کی گئی نصیحتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں "جب اپنے گھر کوئی مہمان آئے تو اس کی جہاں تک ہو سکے خاطر داری کرنی چاہیے۔ اس کو کھانے پینے سونے بیٹھنے زردہ پان کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے جس کا کوئی لڑکا بالا ساتھ ہو تو اسے گود میں لے لیا۔ کبھی بازار سے کچھ سودا منگوا دیا۔ کھانے کا وقت بے وقت پوچھتی رہیں۔"[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہمان نوازی اعلی دینی اقدار میں سے ہے اسی طرح سخاوت اور فیاضی سے دل کشادہ رہتے ہیں اور ایثار پیشہ لوگوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ والدہ نے اس قصہ میں بیٹی کو نصیحت کی کہ "باغ سے جو روز ڈالی آتی ہے۔ اس میں سے تھوڑی سی کنبے میں اور کچھ ہمائی کے ہاں بھجوا دیا کرو۔ گاؤں گوین سے جو بھٹے، آم، دودھ آیا کرے اس کو بھی اسی طرح بانٹ دیا کرو۔"[2]

دینی اعتبار سے جہاں تک مہمان نوازی کے فضائل کا تعلق ہے جلیل القدر انبیاء کرام اور اولیاء اللہ مہمان نوازی کو محبوب کو رکھتے تھے۔ پیارے آقا کی طرف سے بھی اس کارِ خیر کی تشویق کے لیے متعدد احادیث منقول ہیں۔ مثلاً حضرت انس بن مالک کی روایت ہے۔

"الخير اسرع الى البيت الذى يغشى، من الشفرة إلى سنام البعير "[3]

(جس گھر میں کھانا کھلایا جائے اس میں خیر و برکت اس تیزی سے آتی ہے جس تیزی سے چھری اونٹ کی کوہان تک پہنچتی ہے)

آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو زرؓ کو نصیحت فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا:

"يا اباذر اذا طبخت مرقة فاكثرماءهاو تعاهد جيرانك "[4]

1۔ مجالس النساء ص، ٦٦

2۔ ایضاً ص، ٦٢

3۔ ابن ماجہ (امام)، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء في الضيافة. ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۸ حدیث نمبر: ۳۳۵٦

(اے ابو ذر جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ رکھو اور اپنے پڑوسیوں کو یاد رکھو۔)

یہ اسلامی اخلاقیات کے حوالے سے تاریخ اسلام کے وہ زریں باب ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ اخلاقی رویے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جلوہ گر ہوئے تو یہ داخل سے نکل کر خارج کو جگمگانے لگے اور سچائی، راست بازی، ایثار، محبت، عدل وغیرہ محض نظری بحثیں نہ رہیں۔ بلکہ عملی حقیقتیں بن کر ابھریں۔ ان حقائق کی اہمیت اپنی جگہ مسلم رہتی ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ زمانہ نیا ہے یا کہ پرانا۔

بات بچیوں کی تربیت کے حوالے سے ہو رہی تھی اس پس منظر میں پاکیزگی، نظافت اور صفائی ستھرائی بھی اعلی اسلامی اقدار کا حصہ ہیں جیسے کہ "مجالس النساء" میں ہے کہ خوش سلیقگی لڑکیوں کی زندگی کو کس قدر خوبصورت بناتی ہے اس حوالے سے زبیدہ خاتون کی والدہ نے سمجھایا کہ "یہ دال سالن کی رکابی جہاں کہیں بھیجا کرو اس پر سترپوش ضرور ڈھک دیا کرو اور کھانا سینی میں لگا کر بھیجا کرو۔ دستر خوان ہمیشہ اجلا اور باسن قلعی دار رہیں۔ برتن آٹھویں دن نہیں تو پندرہویں دن ضرور قلعی کرا لیا کرو۔ پتیلیوں پر دوسرے تیسرے دن تلاچھڑ ہوا لیا کرو۔ دسویں پندرھویں دن چولہے لپوا لیا کرو"[1] بظاہر معمولی دکھنے والے یہ کام نتائج کے اعتبار سے نہایت دور رس ہیں۔ اگر ہم اس دور کی بات کریں جس میں ہم آپ رہ رہے ہیں ایک عجیب سا اصول بنا لیا گیا ہے۔ کہ اگر لڑکی تعلیم حاصل کر رہی تو اس کو گھر ہستی کے کاموں میں نہ ڈالا جائے۔ بلکہ اس کے ذہن میں ڈالا جاتا ہے کہ گھر داری ایک کم تر درجے کا عمل ہے۔

آیئے اس قصہ کے سب سے اہم حصے کی طرف وہ ہے اولاد کو چند ضروری عائلی قوانین شریعت کا ادراک کرانا۔ مثلاً زبیدہ خاتون اپنے نکاح کے لمحات سے ذرا پہلے کے لمحات کا احاطہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ان کے والد نے کہا "سنو میری جان یہ کوئی چار دن کا معاملہ نہیں ہے۔ عمر بھر کی قید ہے۔ تمہارا باپ ایسا نادان نہیں کہ بے پوچھے تمہارا ہاتھ ایک غیر آدمی کے ہاتھ میں دے دے۔ اپنی اپنی سمجھ جدا ہے۔ میرے نزدیک وہ لاکھ

4۔ مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والادب، باب الوصیۃ حدیث نمبر: ۲۶۸۸

1۔ مجالس النساء ص، ۶۴

اچھے ہوں۔ مجھے کیا خبر تمہارے دل میں کیا ہے۔ اور معاملے کی بات میں شرم کرنی بے وقوفی ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔[1]

یہ تو تھا شادی سے قبل زوجین کی رضامندی کا پہلو اور اگر بغیر اجازت نکاح کیا جائے تو اس کے عواقب کیا ہو سکتے ہیں۔ اسی ذیل میں کمسنی کی شادیوں کی مذمت کے بارے میں بھی "مجالس النساء کے ایک کردار سید عباس سے بھی ادا کرائے گئے۔ جو کہ اس کے دادا نانا کے درمیان ان کی والدہ اور والد کی شادی کے موقع پر ہوا۔ مثلاً "یہ جو ہمارے ملک میں اکثر کمزور اور بودے ہوتے ہیں چالیس پینتالیس سال کی عمر میں جا کر کسی کام کے نہیں رہتے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ شادیاں چھوٹی عمر میں کی جاتی ہیں۔ نہ ابھی ان کے بدن زور پکڑتے ہیں۔ اور نہ ان کی عقلیں کامل ہونے پاتی ہیں۔ دفعتاً ان پر یہ بوجھ آن پڑتا ہے[2] اس کو اگر معاشرتی پہلو سے بھی دیکھا جائے تو کم عمری میں نکاح کر دینے سے بڑی الجھن یہ ہے کہ نو عمر بچوں کو بیاہ دینے سے جو وہ مسائل جھیلیں) گے اس سے ان کی ازدواجی زندگی کسی جہنم سے کم نہیں ہو گی۔

عائلی مسائل کو ایک اور رخ سے جانچیں تو وہ ہے شادی بیاہ پر فضول رسومات اور بے جا اخراجات -زبیدہ خاتون کے والد نے لڑکے والوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ "رشتہ تو منظور ہے۔ لیکن آپ آگاہ رہیں کہ اگر نکاح جیسے سنت عمل کو فضول رسموں کی نذر کر دیا جائے گا تو یہ ہمیں پسند نہیں ہے۔ اگر اختصار سے کام لیں تو فیصلہ دو بولوں پر ہو جاتا ہے اور اگر طوالت دیتے جائیں تو اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ کوئی اگر اس انجام دہی میں اپنی سلطنت بھی داؤ پر لگا دے تو لوگوں کی نکتہ چینیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔[3]

مزید کہا میں شہر والوں کی طرح مہر پر کثیر رقم خرچ کرنے کا بھی قائل نہیں کہ اس سے نہ اللہ تعالی خوش اور نہ رسول۔ تو کیونکر یہ ناراضی مول لی جائے۔ گھریلو زندگی کی فضا کو اسلامی ڈھب کے مطابق ڈھالنے سے لاتعداد فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جیسے کہ

1۔ ایضاً ص، ۸۵

2۔ ایضاً ص، ۸۳

3۔ ایضاً ص، ۸۲

زبیدہ خاتون کی والدہ نے بیٹی کو سمجھایا " یہ بات توجہ سے سنو کہ دیورانی جیٹھانی کے اختلافات ہو جانا اچھنبے کی بات نہیں۔ اگر ان کے خاوند چاہیں تو یہ مسئلہ آسانی سے حل کر سکتے ہیں۔ جو کچھ والدین ترکہ چھوڑ کر گئے ہیں اس کو صلح صفائی کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لیں"[1] ظاہر ہے ترکے کی منصفانہ تقسیم سے آپسی تعلقات پر کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ روز روز کی کشاکش سے نجات مل جاتی ہے۔

گھریلو فضا کو خوشگوار رکھنے کیلئے زن و شو کے باہمی تعلقات کا بہتر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس قصہ میں بیٹی کو یہ سمجھانا بہت معقول معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیوی جتنی متین اور صبر و تحمل والی ہوگی۔ وہ کامیابی سے اپنے گھر کو بسا لے گی۔ "خاوند کے ساتھ تو پوری زندگی بتانی ہے۔ اگر شوہر اور بیوی کے آپسی تعلقات بہتر ہیں تو جنگل میں کسی درخت کے سائے میں زندگی کاٹ دینا محلوں میں ذہنی دباؤ کے تحت جینے سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے"۔[2]

عائلی زندگی کے حوالے سے اس قصے میں بیان کی گئی نصیحتیں اسلامی فکر کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔ والدین بچوں کو ناز و نعم میں ضرور پالیں لیکن زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے انہیں صراط مستقیم کا پتہ بھی ضرور بتانا چاہیے تاکہ وہ زندگی کی کٹھنائیوں سے نمٹنے کی بھی پیش بندی کر سکیں۔ وگرنہ صورت حال یہ ہوگی کہ " جس کے مزاج میں کاہلی ہے ان کا تو اللہ ہی حافظ ہے ماما نے جیسا پکایا کھا لیا۔ مغلانی نے جیسا سی دیا پہن لیا۔ کھانے میں نمک زیادہ پڑ گیا تو بلا سے، کپڑے میں جھول پڑ گیا تو جوتے کی نوک سے۔ پانی کی ٹھلیاں کھلی پڑی ہیں تو کچھ خبر نہیں گھریلو ذمہ داریوں کا ادراک نہ رکھنے والی خواتین اپنی قدر و منزلت بھی کھو دیتی ہیں اور گھر کو بھی سکھ اور سکون سے محروم رکھتی ہیں۔[3]

جہاں تک عائلی معاملات میں شرائط نکاح کا تعلق ہے اس میں فریقین (مرد۔ عورت) کی رضامندی لازم ہے۔ حضرت خنساءؓ بنت خذام راویہ ہیں:

حدیث نبوی میں خنساء بنت خذام کا واقعہ نکاح اس طرح بیان ہوا۔

1۔ ایضاً ص، ۸۰

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً ص، ۴۶

" عن خنساءبنت خذام :أن أباها زوجها وهي ثيب ذلك،فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فرد نكاحهُ "[1]

(بے شک ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ کنواری نہ تھی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح منسوخ کرا دیا۔)

فقہی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ رضامندی اشد ضروری ہے۔ جیسے کہ فتاوی قاضی خان میں ہے

" و من شرائط النكاح رضا المراة اذ كانت بالغة بكرا كانت او ثيباً فلا يملك الولى إجبارها على النكاح عندنا"[2]

(نکاح کی شرائط میں سے عورت کی رضامندی (بھی) ہے جب وہ بالغ، کنواری یا شوہر دیدہ ہو۔ ولی اسے نکاح پر مجبور کرنے کا ہمارے نزدیک اختیار نہیں رکھتا۔)

مذکورہ کتاب میں چھوٹی عمر میں اولاد کی شادی کو جو قابل مذمت ٹھہرایا گیا ہے اگر اس مسئلے کی اصل دیکھیں تو دین اسلام کی تعلیمات میں بچوں کی عمر کی حد بلوغت رکھی گئی ہے۔ بعض " خطوں میں بچے 15 سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ " اور سرکاری قانون کے مطابق لڑکی کی عمر 18 سال اور لڑکے کی عمر 21 سال ہونے کے بعد ان کا نکاح کرنا چاہیے۔ اس میں عمر کی پختگی یا احتیاط کا خیال رکھا گیا ہے۔"[3]

گزشتہ صفحات میں مہر کی زیادتی کو ناپسندیدہ خیال کیا گیا۔ دینی تعلیمات کے مطابق مہر عورت کا حق ہے اس حق کے ادا کرنے کی وجہ سے مرد عورت پر حق زوجیت

1۔ نسائی، احمد بن شعیب، امام، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب : الیثب یزوجھا وھی کارھۃ، ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۸ حدیث نمبر: ۳۲۷۰

2۔ قاضی خان، حسن بن منصور، فتاوی قاضی خان فی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان، کتاب النکاح، باب فیما یعلق بہ انعقاد النکاح . فصل فی شرائط النکاح بیروت دارالکتب العلمیۃ ۲۰۰۹ ء ص: ۲۹۸

3۔ دار الافتاء، دار العلوم، دیوبند- ہند، سوال نمبر ۱۶۹۸۱۹، جواب نمبر ۱۶۹۸۱ فتوی: ۱۴۴۰

darulifta-deoband.com/home

رکھتا ہے۔ مہر کی کم سے کم مقدار ایک روایت میں 10 درھم ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے۔

" لاصداق دون عشرة دراهم "[1]

(مہر دس درھم سے کم نہیں ہو سکتا۔)

اگر 10 درھم کی موجودہ اوزان کے حساب سے مقدار نکالی جائے 30 گرام 618 ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ شریعت مطہرہ کی نظر میں مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔ یہ تو جانبین کی باہم رضامندی سے طے کی جا سکتی ہے البتہ اپنی دولت کی نمائش کی خاطر ایسا کرنا شریعت کا مطمع نظر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یسر اور سہولت کو پیش نظر رکھنا ہی مستحسن ہے۔ جہاں تک برات کو کھانے کھلانے کا معاملہ ہے۔ اگر اس کو مہمان نوازی کے پس منظر میں دیکھا جائے اور مہمان کا اکرام کرتے ہوئے ایسا کیا جائے جس میں نہ تو کوئی نمود و نموش ہو۔ اور نہ ہی کسی دباؤ کے تحت کھانا کھلانا پڑے تو اس کا تو جواز ہے۔ اگر وہ لوگ بحثیت مہمان بلائے گئے تھے تو پھر انہیں کھانا تو پیش کرنا ہوگا۔ لیکن اگر اس کام کی خاطر بیٹی والے قرض کے بوجھ تلے دب جائیں تو یہ قطعی پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ "لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے۔ اگر وہ بغیر التزام کے اپنی مرضی سے کھانا دیں تو یہ مباح عمل ہے۔[2]

ذیل کی سطور میں تربیت اولاد کے حوالے سے والد اور والدہ کی ان کوششوں کا جائزہ لیا جائے گا جو بیٹے کے لیے "مجالس النساء" میں مذکور ہیں۔ اس قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زبیدہ خاتون اور ان کے شوہر امجد علی کا بحیثیت میاں بیوی برسوں کا ساتھ رہا۔ لیکن عباس کی ولادت کے تین چار سال کے اندر ہی امجد علی چل بسے۔ اور اس طرح بچے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ماں پر آن پڑی۔ البتہ اپنے مرض وفات کے دوران امجد علی صاحب نے ایک وصیت نامہ لکھ کر اپنی بیوی کے سپرد کر دیا تھا۔ آتو جی اپنی مخاطب

[1]۔ دار قطنی علی بن عمر۔ امام، سنن دار قطنی، کتاب النکاح باب المصر جلد ۳ ادارۃ اسلامیات، لاہور ۱۴۳۴ھ

[2]۔ دھلوی، محمد کفایت اللہ، کفایت المفتی، کراچی،، دارالاشاعت ۲۰۰۱ء ص ۱۵۷-۱۵۸

مریم زمانی بیگم کو جتلاتی ہیں کہ دیکھو پہلے تم اس بات کو نہیں مانتی تھیں کہ ایک ماں اپنی بیٹی کی تعلیم وتربیت کا فریضہ نہیں نبھا سکتی۔ تو میں نے تم تک زبیدہ خاتون کے اس زمانے کی روداد سنادی جب کہ وہ ابھی شادی شدہ نہیں بلکہ کنواری اپنے والدین کے ہاں تھی۔ اب تمہیں امجد میاں کے اس وصیت نامے کی روئیداد سناتی ہوں جس میں اس نے زبیدہ خاتون کو بیٹے کی تربیت احسن انداز میں کرنے کو کہا اور ساتھ ہی لکھا کہ میرے بیٹے اور اس کی اولاد کو میری طرف سے یہ وصیت کر دینا کہ وہ حصول علم میں سعی کرے۔ زمانے میں عزت مقصود ہو تو اپنے اندر نئے نئے ہنر اور کمال پیدا کرے۔ اپنے آبائی پیشہ تجارت میں اگر دلچسپی ہو تو ٹھیک ورنہ اپنی پسند کا کوئی بھلا پیشہ اختیار کرو۔ کذب بیانی رشوت ستانی، وعدہ خلافی، چرب زبانی سے گریز کرو۔ جمعہ جو کہ عبادت کا دن ہے اس کے علاوہ جن دنوں مرضی معاش کی خاطر سفر اختیار کرو اور کسی قسم کے وہموں کا شکار نہ ہونا۔ گھوڑ سواری کے لیے بہترین گھوڑا خریدنا اگر گھوڑے فروخت کرنا ہوں تو اپنے مال کا ہر عیب بنا دیتا۔ بے کار لوگوں سے دوستی نہ کرو اور اپنے وقت کو جان سے بڑھ کر سمجھنا۔ اپنی بیویوں پر تشدد سے گریز کرنا۔ نوکروں سے حسن سلوک کرنا لیکن ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے ان پر بھروسہ کرتے ہوئے خود اپاہج ہو کر نہ بیٹھے رہنا۔ جتنے علوم سیکھو۔ اتنی ہی زبانیں بھی سیکھنا۔ دینی کتب، پھر بادشاہ وقت کی زبان سیکھنا۔ فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی کمال حاصل کرنا۔ دانائی سیکھنے میں کبھی کوتاہی نہ کرنا خواہ دوسرے لوگ اس کو کتنا بھی حقیر کیوں نہ جائیں۔[1]

سید عباس نے اپنی والدہ کی ان تمام کوششوں کا ذکر بڑے مفصل انداز میں کیا کہ کس طرح والدہ اس کے معمولات کو اپنی زیر نگرانی باقاعدہ بناتی تھیں۔ پڑھنے لکھنے، سونے جاگنے، دوستوں کے ساتھ کھیلنے کے اوقات کی کڑی نگرانی کرتی تھیں، حفظان صحت کے اصولوں کے عین مطابق اسے صفائی ستھرائی کا حکم دیتی۔ کپڑوں کے انتخاب میں۔ موسم کا خیال رکھنا اور اوڑھنے پہننے میں شائستگی کو ملحوظ رکھنا گویا ہر وقت ان کی نصیحت تھی۔ آداب خوردو

[1] ۔ حالی، مجالس النساء، صفحات ۹۹ تا ۹۵ کا ملخص

خوشی سکھانا ہوں یا بیٹے عباس کے کمرے میں کون کون سی کتب کی موجودگی ضروری ہے سب کے لیے تردد کرتیں۔[1]

والدہ کی تربیت میں بول چال کی اغلاط پر ٹوکنا بھی شامل تھا سید عباس کو یہ سمجھایا گیا کہ "تو" کہہ کر ادنی حلال خوری سے بھی کبھی نہ بولنا۔ جب کہنا تم کہنا۔ بڑوں سے یا برابر کے نئی جان پہچان والوں سے "آپ" "یا حضرت کہہ کر بولنا چاہیے ...بڑوں کے آنے کو "تشریف لانا" جانے کو "تشریف لے جانا" اور بلانے کو "یاد کرنا" کہا ہے۔[2]

ایک اور دلچسپ بات جو سید عباس نے والدہ کے حوالے سے بتائی وہ یہ کہ "جو لفظ عربی یا فارسی کے اردو میں بولے جاتے ہیں ان کے معنی عربی، انگریزی، فارسی، ہندی مہینوں کے نام۔ سنہ ہجری، عیسوی فصلی بکرمی کی مفصل جنتری سے تاریخ نکالنے کا طریقہ، چھوٹے بڑوں کے القاب گھڑی گھنٹے کی کوک اور سوئیوں کا حساب، مقیاس الموسم، قطب نما، دوربین، خوردبین، ان سب کے دیکھنے کا قاعدہ نقشہ سمجھنے کا گر اور اس طرح کی بیسیوں باتیں زبانی بتاتی رہتی تھیں۔[3]

زبیدہ خاتون نے اپنے بیٹے کو مکتب میں داخل کرانے سے قبل ہی جو کچھ پڑھا سکھا دیا وہ خاصا باعث حیرت ہے سید عباس کہتے ہیں کہ نو برس کی عمر تک اماں جان نے مجھے ایک سپارہ اور پنج سورہ تو زبانی یاد کرا دیا۔ اور عبارت پڑھنی سمجھنی تو مجھے ایسی آگئی جیسی چاہیے۔ فارسی میں گلستان، بوستان، مالابد اخلاق محسنی عربی میں صرف و نحو کے دو تین رسالے، حساب میں اربعہ متناسبہ اور کسور عام اس کے علاوہ جغرافیہ ہندوستان، تاریخ ہند یہ سب چیزیں مجھے پڑھا دیں۔ اس میں نستعلیق کی تمام تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی میں نے صاف کر لیے۔[4]

---

[1]۔ ایضاً۔ ملخص صفحات ۱۰۵۔۱۰۶

[2]۔ ایضاً ص، ۱۰۸

[3]۔ ایضاً ص، ۱۱۰

[4]۔ ایضاً ص، ۱۱۵

اس تمام استعداد کے باوجود عباس میاں کی پھوپھی کو بھی شکوہ تھا کہ اگر میرا بھائی زندہ ہوتا تو بیٹے کو مکتب میں بٹھاتا۔ بچہ اپنی ماں کی زیر سرپرستی محرومی کی زندگی گزار رہا ہے۔

زبیدہ خاتون بیٹے کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ اور صحت ادائی پر اتنی فکر مند رہتی تھیں کہ اکثر نصیحت کرتیں کہ جب کوئی نیا لفظ بیٹے کے کان میں پڑے اس کے ادا کرنے سے پہلے وہ ان سے تصحیح کرالے۔ مثلا" بعض غلطیاں تو ایسی ہیں جن کو بازاری لوگ ہی بولتے ہیں اور کوئی نہیں بولتا۔ جیسے سیر کو سیل، مزاج کو مجاز، نسخہ کو نخسہ کبوتر کو قبوتر، پتھر کو پھتر دروازہ کو دروزہ، بازار کو بزار۔(1)

زبیدہ خاتون ہمیں ایک اور چیز کے لیے متردد نظر آتی ہیں کہ بیٹا وہ تمام الفاظ بھی ادا نہ کرے جن کو عموماً" عورتیں ہی بولتی ہیں مرد نہیں۔ "جیسے کہ نوج، دور پار، چھائیں پھوئیں، اب سے دور، سیدھارنا، موا، پچھل پائی، واری، اُجڑا، مرنے جوگا، بھیا بھینا، نکھٹو، جاھار، پنڈا، بوا، مردوا، رسنا بسنا، نگوڑا، جھلسنا، بھاڑ میں جائے، چولہے میں جائے۔"(2)

قصے میں بتایا گیا ہے کہ مکتب کی پڑھائی میں سید عباس کی بعض وجوہ کی بنا پر کارکردگی مایوس کن رہی۔ مولوی صاحب نے اس بات کی شکایت والدہ سے کہہ دی۔ ماں نے فوراًغصہ کی حالت میں بیٹے کو کوئی تنبیہ نہ کی۔ البتہ جانور اور انسان کی تمثیل کے ساتھ یہ باور کرانے لگیں کہ اگر تم پڑھنے سے جی چرانے اور پتنگ بازی جیسے مشاغل میں پڑ گئے تو تم زندگی میں کبھی ترقی نہ کر سکو گے۔ اس کے بعد اصل مدعا پر آگئیں۔ یہاں وہ اسے اس کی لاپرواہی کے انجام سے اس طرح ڈراتی ہیں: " اگر مولوی صاحب کو غصہ آگیا، ہاتھ اٹھا بیٹھے یا منہ سے برا بھلا کہہ اٹھے تو میری کیسی شیخی کرکری ہو جائے گی۔ تم کو یہ خیال نہ آیا کہ میرے بڑوں سے آج تک کوئی جاہل نہیں رہا۔ اگر میں نے چار حرف نہ سیکھے تو لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا، میری ماں جو میرے پیچھے جان کھپا رہی ہے اس کی محنت

1۔ ایضاً ص،۱۰۸
2۔ ایضاً ص،۱۰۹

اکارت جائے گی۔ تم نے یہ نہ دیکھا کہ اب کچھ دن میں میرا بیاہ ہونے والا ہے۔ اگر ان پڑھ رہ گیا تو کنبے میں اپنی بیٹی کون دے گا۔"[1]

قصہ مختصر، بیٹے کے کہنے پر زبیدہ خاتون نے بیٹے کو مکتب سے اٹھا کر سرکاری مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ یہاں بچے نے اس ماحول میں بہت کچھ سیکھا۔ ماں نے بچے کو تیراکی اور شکار کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ اس دوران اپنی اس قابلیت کا سہرا اپنی ماں کے سر باندھتے ہوئے سید عباس بتاتا ہے "پندرہ برس تک کی عمر تک میرا یہی قرینہ رہا۔ ریاضی، طبیعی، جغرافیہ، تاریخ انگریزی حاصل کی۔ فارسی میں شاہنامہ سکندر نامہ، آئین اکبری وغیرہ اور عربی میں ایک ایک دو دو کتاب فقہ، حدیث، تفسیر کی اور الف لیلہ، اور نفحۃ الیمن اور تاریخ تیموری وغیرہ ادب میں مولوی صاحب سے پڑھی اور فارسی عبارت لکھنی بھی انہیں سے سیکھی۔ غرض جو کچھ مجھے آتا ہے۔ یہ اسی پانچ برس کی کمائی ہے اور سچ پوچھیے تو یہ سب اماں جان کا صدقہ ہے۔"[2]

جہاں تک امجد کی اپنے بیٹے کے لیے تحریر شدہ وصیت کا تعلق ہے تو اس کا ایک ایک لفظ گواہی دے رہا ہے کہ اگر انہیں زندگی مہلت دیتی تو وہ ان خطوط پر بیٹے کی تربیت ضرور کرتے اسے علم و ہنر میں کمال حاصل کرنے کے بعد اس کی پسند کے مطابق پیشہ کے انتخاب کا حق دیتے۔ اسکے جسم کو مضبوط و تنومند رکھنے کے لے گھوڑ سواری کی ترغیب دیتے۔ اعلی اخلاقی محاسن کے حصول کی قدر و قیمت بتاتے غرض اس کی تمام عادات و اطوار کو ایک کامیاب انسان کے قالب میں ڈھالتے ہیں لیکن تربیت کا یہ عمل آسان نہیں ہے۔ امام غزالی نے اس عمل کو کسان کے کام کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

"يشبه فعل الفلاح الذي يقلع الشوك ويخرج النباتات الاجنبيةمن بين الزرع ليحسن نباته ويكمل ريعة"[3]

1۔ ایضاً ص، ۱۳۴

2۔ ایضاً ص، ۱۳۵

3۔ الغزالی، محمد بن محمد بن احمد، ایھا الولد، ص ۶۰

(تربیت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کسان کھیتی باڑی کے دوران کانٹے اور غیر ضروری جڑی بوٹیاں کاٹ دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی فصل کو اچھا بنائے اور اس کی نشو ونما کو مکمل کر دے۔)

دوسری طرف والدہ کی محنت اور مشفقت کا عالم یہ ہے کہ جو جو علوم و ہنر اس خاتون نے سیکھے ان سب کا اطلاق بیٹے کی تربیت پر کر کے اس کو ایسے مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوان کی شکل میں ڈھالا جس کے اندر دین داری، حسن اخلاق، عقلمندی اور دانائی کے وہ تمام اوصاف موجود ہیں جس کی آرزو اس کے والد نے وصیت کی شکل میں کی تھی۔ یہ خاتون خود بھی متدین اور مہذب تھی۔ بچے کو بھی اپنی کڑی نگرانی میں زمانے کے سرد گرم سے مطلع کیا اور تعمیر شخصیت میں اپنا حصہ ڈالا۔ کتاب اللہ کے بھی یہی احکامات ہیں کہ

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"[1]

(اے ایمان والو خود کو بھی اور اپنے اہل عیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔)

گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ زبیدہ خاتون بیٹے کے لسانی معائب کی خوب گرفت کرتی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ ادائیگی الفاظ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ بولنے والے کے جذبات واحساسات کس قدر تنزیہ اور تنقیح ہوئی ہے۔ اس ضمن میں ایک ہندوستانی مضمون نگار مصباح انظر لکھتے ہیں۔

"زبان تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے کا وسیلہ ہے زبان کی شیرینی یا کرواہٹ سے اس کے بولنے والے کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی مہذب قوم کی زبان انتہائی خراب ہو۔"[2]

نقائص سے پاک زبان اور لب ولہجہ، فصاحت و بلاغت ایسی خوبیاں ہیں جن کے بارے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"انا افصح العرب بید أني من قريش نشأت فی بنی سعد بن بکر "[3]

---

[1] سورۃ تحریم؛ آیت نمبر ٦

[2] مصباح انظر، زبان اور زمینی صورتحال، ماہنامہ اردو دنیا، جلد 21 شمارہ 12 نئ دھلی قومی کونسل فروغ اردو زبان حکومت ہند، ستمبر ۲۰۱۹ ص ۸

(میں عرب کا فصیح ترین ہوں کیونکہ میں قریش سے ہوں اور سعد بن ابی بکر میں پلا بڑھا ہوں۔)

گویا قدرت الہیہ کی طرف سے دو قبائل عرب یعنی قریش اور سعد بن ابی بکر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور رضاعت کا اعزاز حاصل ہوا۔ نہ صرف یہ کہ آپ کی اپنی زبان بہت فصیح و بلیغ تھی بلکہ آپ نے اپنے ایک صحابی کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم بھی فرمایا۔ تاکہ اہل یہود کے ساتھ ہونے والی خط و کتابت یہودی کاتبوں پر اعتماد کرنے کی بجائے خود صحابی رسول نہ صرف یہود کی زبان میں خط لکھیں بلکہ یہود کی طرف سے آنے والے خطوط بھی پڑھیں:

"عن زیدؓ بن ثابت قال :" أمرنی رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان التعلم لہ کلمات - من کتاب یہود، قال انی والله ما آمن یہود علی کتاب، قال فما مر بی نصف شہر، حتی تعلمتہ لہ،قال فلما تعلمتہ کان اذا کتب إلی یہود کتب الیہم و اذا کتبوا الیہ قرات لہ کتابہم "[1]

(حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہے کہ رسول اللہ نے مجھ حکم دیا کہ میں آپ کے لیے یہود کی کچھ تحریر سیکھ لوں۔ آپ نے فرمایا قسم اللہ کی میں یہود کی تحریر پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ سو نصف مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے آپ کے لیے اس کو سیکھ لیا۔ انہوں نے کہا کہ جب میں اسے سیکھ چکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کے ہاں کچھ لکھوا کر بھیجنا ہوتا تو میں تحریر کر کے ان کے پاس ارسال کر دیتا تھا۔ اور یہود نے آپ کی طرف کوئی لکھی ہوئی چیز آپ کی طرف بھیجی تو میں تحریر پڑھ کر آپ کو سنا دیتا۔)

---

[3] ۔ المناوی، عبد الرؤف، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، لبنان بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، ۱۳۹۱ھ، حدیث نمبر: ۲۶۸۴ ص ۳۸

[1] ۔ سنن ترمذی، کتاب الاستیذان والادب عن رسول باب ما جاء فی تعلیم السریانیہ، حدیث نمبر ۲۷۱۵

مندرجہ بالا حدیث میں دو باتیں بہت واضح ہیں کہ اسلام دشمنی کے سبب یہود کی خط و کتابت میں کمی بیشی کا اندیشہ موجود تھا۔ اس لیے قابل اعتماد صحابی اگر یہود کی زبان سیکھ کر یہ فریضہ انجام دیں تو بہتر ہے ۳۔ دوسری یہ کہ تبلیغ اسلام کی غرض سے مسلمان کو بین الاقوامی زبانوں پر عبور ہونا چاہیے۔

عربوں میں تجارت پیشہ لوگوں کا اطراف و اکناف میں سفر کرنے کی وجہ سے عربی زبان نے عجمی زبانوں کا اثر قبول کیا اور عربی نے عجمی زبانوں پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ لیکن مکہ کے قرب وجوار میں عربی زبان بیرونی اثرات سے پاک رہی۔ روساء عرب اپنے بچوں کو پرورش اور حفظ لسان کی خاطر بادیہ نشینوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

اردو زبان ہندوستان میں شروع ہوئی اور یہیں اس کی اٹھان بھی ہوئی سنجیدہ حضرات اس زبان کو ہر قسم کے نقائص سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ یہ زبان علم اور ادب کا گہوارہ بنے۔ "مجالس النساء" میں حالی نے بھی اسی قسم کا تردد کیا اور اپنے ایک کردار سید عباس کی اردو کی تصیح کے لیے اس کی والدہ کو فکر مند دکھایا۔

مولانا حالی نے یہ قصہ اپنے اختتام کی طرف لے جاتے ہوئے والدہ کی تربیت کا ایک اور رنگ اس طرح قارئین پر ظاہر کیا۔ کہ زبیدہ خاتون نے بیٹے کو اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں اورنگ آباد بھیجنے کا قصد کیا، جس کا سالہا سال سے کوئی اتا پتا نہ تھا۔ اس کام کے لیے بیٹے کو مدرسہ سے اٹھوالیا اور پندرہ برس کی چھوٹی سی عمر میں بچے کو طویل سفر پر روانہ کر دیا۔ کہنے لگیں کہ "سفر کا ایک بہانہ ہو گیا۔ اگر یہ بات پیش نہ بھی آتی تو بھی میں اس کو شہر میں ہرگز نہ رکھتی ضرور کسی نہ کسی طرف بھیجتی۔ کیونکہ آدمیت جیسی چیز شہر کی چار دیواری میں کہیں نہیں آسکتی۔ بے شک اس کے مدرسہ چھوڑے کا مجھے بھی افسوس ہے مگر پھر جو دیکھتی ہوں تو کچھ افسوس کی بات نہیں۔ سفر آدمی کا سب سے بڑا استاد ہے گویا میں اس کو ایک مدرسے سے اٹھاتی ہوں اور دوسرے میں بٹھاتی ہوں۔ (1)

[1]۔ روزنامہ پاکستان، ۲۴ فروری ۲۰۲۵

بے شک سفر علم کے لیے اختیار کیا جائے یا کسب معاش کے لیے وہ انسانی طبیعت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اسے نئے نئے تجربات اور نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مختلف مقامات کا سفر اختیار کرنے سے نئے نئے حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو کہ اس کے تجربات کی وسعت پذیری کا سبب بنتے ہیں۔ دوران سفر وہ اپنی ذات اور ذات خداوندی پر غور و تدبر کرتا ہے جس سے اس کو روحانی طور پر ایک بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ سفر میں انسان کو مختلف قسم کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جس سے معاشرتی سطح پر نئے نئے تعلقات بنانے کا موقعہ ملتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف قسم کی تہذیب و تمدن اور رسم ورواج سے آشنائی حاصل کرتا ہے۔

جہاں تک "مجالس النساء" کے مطالعے اور تجربے سے حاصل ہونے والے نتائج کا تعلق ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاریب یہ قصہ حالی نے عورتوں کی اصلاح کیلئے لکھا لیکن اس میں مردوں کی اصلاح کا بھی بہت کچھ سامان ہے۔ برطانوی ہندوستان کے مسلمان گھرانے کیلئے دینی قوانین برائے اصلاح اخلاق اس قصے کے ہر ورق دیکھے جا سکتے ہیں۔ اخلاق و معاشرت پر دین اسلام کی گہری چھاپ قصے کے کرداروں کے مکالمات میں نمایاں ہے۔ تربیت اولاد ہر عہد میں والدین کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اس قصے میں بچے سے لیکر عہد جوانی تک اولاد کی دینی تربیت کے اسباق موجود ہیں۔ گو کہ زمانے کی تبدیلی سے بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ 76 سال مسلم اکثریت کو ایک الگ وطن حاصل کیے ہو چکے ہے آج بھی "پاکستان کا ۲۵ ملین سے زیادہ بچہ سکولوں میں داخل نہیں ہے"۔ تعلیم سے محروم ہے۔ والدین جو تھے جو کچھ بچوں کی تربیت کے لیے اقدامات پہلے کرتے تھے وہ اب بے اثر ہوتے معلوم ہو رہے ہیں۔ نئے عہد کی نئی دلچسپیوں نے بچوں کو اخلاق و تہذیب کی سطح سے بہت زیادہ بے باک بنا دیا ہے۔ آج بھی مسلمان گھرانوں کی اکثر بچیوں کو ان کے آنے والے دور کی ذمہ داریوں سے پہلی سی شدت کے ساتھ آگاہ نہیں کیا جا رہا۔ دوسری طرف بیٹوں کو تہذیب و شائستگی کی پہلے سے بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس سارے تناظر میں مولانا الطاف حسین حالی کا یہ قصہ اپنی پوری معنویت کے ساتھ ریاستی اداروں، معاشرہ، والدین اور نژاد نو کی توجہ کا طالب ہے۔